ایک مجلس کی تین طلاقیں
اسکی نوعیت اور حل

مصنف

حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی

(بانی و مہتمم جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم، بنگلور)

شعبۂ تحقیق واشاعت

Jamia Islamia Maseehul Uloom, Bangalore

K.S. Halli, Post Kannur Village, Bidara Halli Hobli, Baglur Main Road, Bangalore - 562149

H.O # 84, Armstrong Road, Mohalla Baidwadi, Bharthi Nagar, Bangalore - 560 001

Mobile : 9916510036 / 9036701512 / 9036708149

فہرست ایک مجلس کی تین طلاقیں اسکی نوعیت اور حل

تمہید	1
مسئلہ کیا ہے؟	2
کیا یہ مسئلہ نیا ہے؟	2
حل کی راہ	3
مگر دیکھو!	4
جمہور کے دلائل	5
آیت سے استدلال	5
پہلی حدیث	6
سند حدیث کی حیثیت	7
دوسری حدیث	8
تیسری حدیث	9
طریق استدلال	9
چوتھی حدیث	10
سند حدیث پر کلام	11
پانچویں حدیث	13
حدیث کا درجہ	13
حدیث مذکورہ کے بارے میں اختلاف	14
علت اضطراب کا جواب	14
علامہ ابن القیم پر رد	15
جمہور صحابہ وتابعین کا مسلک	20
کیا تین طلاق پڑ جانے کا مسئلہ حضرت عمرؓ کی ایجاد ہے	24
روایتِ ابن عباس پر بحث	25
حدیث ابن عباس کی مختلف تأویلیں	26
حدیث ابن عباس کا درجہ	27
حضرت ابن عباس کا مسلک	29
دیگر صحابہ کے فتاوی	31
آخری بات	32

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ایک مجلس کی تین طلاقیں
اسکی نوعیت اور حل

تمہید

چند دنوں سے ''تین طلاق'' کا مسئلہ اخبارات ورسائل کا موضوع بنا ہوا ہے، اور تقریباً روزانہ کوئی نہ کوئی اس سلسلہ کا مضمون شائع ہوتا رہتا ہے، اور اس بحثا بحثی کا افسوس ناک بلکہ خطرناک پہلو یہ ہے کہ اکثر و بیشتر یہ لکھنے والے وہ ہیں، جن کو شریعت کا صحیح علم ہی نہیں بلکہ ان میں بعض وہ ہیں جن کو خود شریعت میں ترمیم کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اور وہ شریعت پر قائم لوگوں کو بنیاد پرست (fundamentalist) کہہ کر چڑاتے ہیں اور میں ان چڑانے والوں کو (baseless) کہتا ہوں اور یہ بلا شبہ ایک حقیقت ہے۔

ان بے بنیاد لوگوں کو شریعت کے مسائل پر کلام کرنے کا کوئی حق ہی نہیں پہنچتا، مگر افسوس کہ یہ لوگ بے دھڑک جو جی میں آتا ہے، قرآن وحدیث اور تاریخ سے یکسر آنکھیں بند کر کے، لکھتے رہتے ہیں اور علماء کو جاہل و غافل سمجھتے ہیں، اور عجیب بات یہ ہے کہ علماء کا اپنی شرافت کی بنا پر انکا جواب نہ دینا، ان کو شرافت کے بجائے جہالت نظر آتا ہے، مگر یہ خود ان کی اپنی جہالت ہے۔

بہر حال عرض یہ کرنا ہے کہ آج طلاق کا یہ مسئلہ ایک کھلونا بن کر رہ گیا ہے، جس سے عوام الناس میں ایک بے چینی واضطراب پیدا ہو گیا ہے۔ اس کو دیکھ کر

ضرورت محسوس ہوئی کہ چند ضروری امور کی وضاحت، محض احقاقِ حق واتمامِ حجت کے لئے پیش کروں۔

مسئلہ کیا ہے؟

سب سے پہلے یہ واضح کردوں کہ زیرِ بحث مسئلہ ہے کیا؟ کیوں کہ عوام کو دیکھا گیا کہ وہ اخبارات ورسائل میں اس مسئلہ کی بحث کو پڑھ کر پریشان ہیں کہ یہ کیا مسئلہ ہے؟ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی مرد اپنی بیوی کو ایک ہی وقت میں تین طلاق دے دیا، یا ایک ہی لفظ سے تین طلاق دے دیا، مثلاً کہا کہ تجھے تین طلاق تو اس سے اسکی بیوی پر کتنی طلاقیں پڑتی ہیں، تین کی تین پڑجاتی ہیں یا صرف ایک ہی پڑتی ہے؟

اسکا ایک جواب تو اہلِ حدیث حضرات دیتے ہیں کہ صرف ایک طلاق پڑتی ہے اور دوسرا جواب جمہورِ امت کا ہے کہ اس سے تین کی تین طلاقیں پڑجاتی ہیں، اس دوسرے جواب میں حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی مکتب ہائے فکر کے سبھی لوگ متفق ہیں۔

یہی وہ اہلِ حدیث و دیگر مکتبِ فکر کے لوگوں کا اختلاف ہے، جس کو آج اخبارات میں اُچھالا جارہا ہے اور اسلام کے نادان دوست ووکیل اسکے ذریعہ غیر اقوام کو مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کیلئے مواد کی فراہمی کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔

کیا یہ مسئلہ نیا ہے؟

اب غور یہ کرنا ہے کہ کیا یہ مسئلہ یا اس میں اختلاف نیا ہے اور اسی دور کی ایجاد ہے؟ ظاہر ہے کہ ایسا نہیں، بلکہ ایک طویل زمانے سے یہ مسئلہ اختلافی چلا آرہا ہے، اور اس پر طرفین کی طرف سے دلائل وفن کے مطابق کافی سے زیادہ بحثیں ہوچکی ہیں، اور جس طرح اہلحدیث مکتبِ فکر نے اپنے دلائل دیئے ہیں، اسی طرح دوسرے مکتبِ فکر کے لوگوں نے بھی اپنے نظریہ پر بے شمار دلائل دیئے ہیں، اور اپنے نظریہ کو

واضح وروشن طریقہ پر ثابت کیا ہے۔ان سب کے ہوتے ہوئے ،اس مسئلہ کواٹھانا اور اس اختلاف کوعوام اور جاہل لوگوں کے ہاتھ میں دیکراس کوکھلونا بنا دینا یا خودلیکر کھلونا بنالینا، دراصل دینِ اسلام سے ایک مزاق اوراستہزاء کے مترادف ہے۔

غورکرنے کی بات ہے کہ ڈاکٹروں ،وکیلوں ،سائنس دانوں ، بلکہ ججوں میں تک مختلف امور پر بحثیں اوراختلافات رونما ہوتے ہیں،مگر کیا فن سے ناواقف کواس میں دخل دینے کی جرأت ہوسکتی ہے؟اور پھراسکواخبارات میں اچھالنےکوکوئی عقل مند اچھاخیال کرتا ہے؟مگرافسوس کہ جاہل لوگ دین وشریعت میں اپنی ناقص عقل ورائے کو چلاتے اور علماء کو جوقرآن وحدیث کی بنیاد پر حکم کرتے اور دلائل شرعیہ کی بنیاد پر اختلاف کرتے ہیں، برا بھلا کہتے ہیں۔

غرض یہ کوئی آج ہی کا مسئلہ نہیں کہ اس پر یوں زحمت اٹھانے کی ضرورت ہو، بلکہ یہ ایک طویل زمانے سے اختلافی مسئلہ ہے،اوراس پر سنجیدگی اور دلائل سے گفتگو کی ضرورت ہوتی ہےاور علماءاس سے قبل اس سے فارغ ہو چکے ہیں۔

حل کی راہ

لہٰذااس مسئلہ کی ازسرِنوتحقیق کی نہ ضرورت ہےاورنہ کوئی اس سے فائدہ،اب حل کی راہ اورسب سے آسان راہ یہ ہے کہ اہلِ حدیث مکتبِ فکر کے لوگ (اگر وہ اپنی تحقیق پر مطمئن ہیں) اپنی تحقیق پر عمل کریں، اور دوسرے حضرات کو جوان سے دلائلِ شرعیہ کی بنیاد پراختلاف رکھتے ہیں، مجبور نہ کریں کہ وہ اپنی تحقیق چھوڑ کر اہلِ حدیث کی تحقیق پر عمل کریں اور جمہورِامت کے لوگ اپنی تحقیق (نہیں بلکہ صحابہ و تابعین وائمہ فقہاء ومحدثین کی تحقیق) پر عمل کریں ، جیسے اور بہت سارے مسائل میں اسی طرح اپنی اپنی تحقیقات پر عمل کیا جارہا ہے،اگر خدا کی خوشنودی اور رضا کیلئے اس

طرح عمل کرلیا گیا تو ممکن ہے کہ موجودہ صورتِ حال کے تلخ نتائج سے بچنے کے ساتھ، دین ودنیا کی بھلائیاں ہمیں حاصل ہوں۔

مگر دیکھو!

مگر یاد رکھنا چاہئے کہ محض اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لئے، پوری عمر جس تحقیق کو صحیح سمجھتا رہا، اس کو چھوڑ کر دوسری تحقیق کو اپنانا، دراصل دین کا مزاق اڑانا ہے جیسے بہت سارے لوگ آج خاص طور پر اس تین طلاق والے مسئلہ میں کرتے ہیں کہ حنفی مسلک کے مطابق پوری زندگی گذارتے رہتے ہیں اور تین طلاق کے بعد اہلِ حدیث علماء سے مسئلہ پوچھ کر رجوع کر لیتے ہیں، یہ سراسر نفس پرستی اور شیطانی مکاری ہے۔

یاد رکھنا چاہئے کہ دلائل کی بنیاد پر کسی دوسرے مسلک کو اختیار کرنا الگ بات ہے اور محض اپنے نفس کی خواہش کیلئے ایسا کرنا الگ بات ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ دلائل کو جانچنا، پرکھنا، وجوہِ استدلال سے بحث کرنا، عامی کا کام نہیں بلکہ عالم کا کام ہے، لہٰذا عامی کو اتنا ہی چاہئے کہ جب پوری عمر حنفی علماء کو حق پرست سمجھتا رہا اور ان کی تحقیق پر اعتماد کرتا رہا، تو اب بھی انہیں کے مطابق عمل کرے اور اگر وہ ایسا نہیں کرتا بلکہ کسی اہلِ حدیث سے مسئلہ پوچھ کر اسکو مانتا ہے تو ظاہر ہے کہ اسکو مسئلہ ہی بتایا جاتا ہے نہ کہ دلائل اور اگر دلائل بھی اسکے سامنے آتے ہیں، تو یک طرفہ اور اگر دو طرفہ بھی آتے ہیں تو وہ نہ قوتِ دلیل سے واقف، نہ وجوہِ استدلال سے واقف ہوتا ہے، تو بحر حال اسکو ان علماءِ اہلِ حدیث کی بھی تقلید ہی کرنی ہوتی ہے، تو سوال یہ ہے کہ اس نے ادھر کی تقلید کو چھوڑ کر ادھر کا رخ کس بنیاد پر کیا؟ ابھی عرض کر چکا کہ دلائل کی بنیاد پر نہیں کیا ہے، پھر کس بنیاد پر؟ محض نفس کی بنیاد پر؟ بھلا یہ کیسے جائز ہوسکتا ہے؟ اسلئے ہر مسلک

کے آدمی کو چاہئے کہ نفس کی بنیاد پر بھٹکتا نہ پھرے اور خدا کو ناراض نہ کرے۔

جمہور کے دلائل

اب یہ ملاحظہ کیجئے کہ ائمہ اربعہ امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام احمدؒ اور دوسرے علماء وائمہ نے زیرِ بحث مسئلہ میں جو یہ فرمایا ہے کہ تین کی تین طلاقیں پڑ جاتی ہیں ان کا یہ قول مبنی بر دلائل ہے، یہاں تفصیل نہیں پیش کی جا سکتی، صرف چند دلائل ''مشتے نمونہ از خروارے'' کے طور پر ذکر کرتا ہوں۔

آیت سے استدلال

قرآن کریم میں اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ﴾ [البقرۃ: ۲۳۰]

(پس اگر اس نے اسے (دو کے بعد تیسری) طلاق دے دی تو وہ عورت اس کے لیے حلال نہیں تاوقتیکہ وہ کسی اور مرد سے نکاح نہ کرلے)

اس آیت سے پہلی آیت میں دو طلاق رجعی کا ذکر کیا گیا ہے، اور اس میں تیسری طلاق کا ذکر ہوا ہے، اور یہ فرمایا گیا ہے کہ تیسری طلاق کے بعد اب وہ عورت اپنے شوہر کے لیے بلا حلالے کے حلال نہیں، اور یہاں اس کی کوئی تفصیل نہیں کہ یہ تیسری طلاق پہلی دو طلاقوں کے ساتھ اسی مجلس میں دی جائے یا کسی اور مجلس میں دی جائے، لہٰذا یہ آیت دونوں صورتوں کو شامل ہوگی، اور مسئلہ یہ نکلے گا کہ خواہ اسی مجلس میں تیسری طلاق دیدے یا کسی اور مجلس میں وہ عورت اس پر حرام ہوگئی اور بغیر حلالے کے وہ اس کے لیے حلال نہیں۔

علامہ ابن حزم الظاہری نے اس آیت کا یہی مطلب بیان کیا ہے کہ یہ دونوں صورتوں کو شامل ہے، چنانچہ وہ اپنی کتاب ''المحلی بالآثار'' میں فرماتے ہیں:

”ثم وجدنا من حجة من قال :إن الطلاق الثلاث مجموعةً سنةٌ لا بدعةٌ ۔ قول اللّٰہ تعالےٰ:﴿ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلاَ تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجاً غَيْرَهُ﴾ فهذا يقع على الثلاث مجموعةً و مفرقةً ، ولا يجوز أن يخصص بهذه الآية بعض ذلك دون بعض بغير نصّ۔(۱)

(یعنی پھر ہم نے ان حضرات کی دلیل میں، جو بیک وقت تین طلاق کو سنت کہتے ہیں نہ کہ بدعت، اللہ کا یہ قول پایا (جس کا ترجمہ یہ ہے) ”پس اگر اس نے اسے (دو کے بعد تیسری) طلاق دے دی تو وہ عورت اس کے لیے حلال نہیں تاوقتیکہ وہ کسی اور مرد سے نکاح نہ کرلے“ پس یہ اکھٹی تین طلاق دینے اور الگ الگ طور پر دینے دونوں صورتوں کو شامل ہے،لہٰذا اس آیت کو کسی ایک صورت کے ساتھ خاص کرنا بغیر نص کے جائز نہیں)

علامہ ابن حزم کی اس عبارت سے واضح ہوا کہ مذکورہ آیت ایک مجلس میں اکھٹی تین طلاق دینے اور الگ الگ مجلس میں دینے دونوں صورتوں کو شامل ہے ،اوراس کو بلا دلیل ایک کے ساتھ خاص کرنا جائز نہیں۔

پہلی حدیث

﴿ عن سهل بن سعد قال عويمر كذبت عليها يا رسول الله ! إن أمسكتُها ، فطلّقها ثلاثاً قبل أن يأمره رسول الله ﷺ ﴾ (۲)

(حضرت سہل بن سعدؓ سے مروی ہے کہ حضرت عویمر عجلانیؓ نے حضور اکرم ﷺ کے سامنے اپنی بیوی سے لعان کیا، پھر کہا: یا رسول اللہ ! اگر میں اس کو اپنے پاس رکھوں تو میں جھوٹا ہوں، پھر انہوں نے اپنی بیوی کو رسول اللہ ﷺ کے حکم دینے سے پہلے ہی تین طلاقیں دیدیں)

(۱) المحلی: ۱۰/ ۱۷۰ (۲) بخاری: ۵۲۵۹، مسلم: ۲۷۴۱، نسائی: ۳۳۴۹

جمہور علماء فرماتے ہیں کہ حضرت عویمرؓ نے حضور ﷺ کے سامنے تین طلاقیں دیدی اور حضور ﷺ نے اس پر انکار نہیں کیا جس سے معلوم ہوا کہ یہ تینوں طلاقیں واقع ہوگئیں، بلکہ ابوداؤد میں انہی حضرت سہلؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے اسکو نافذ فرمادیا۔ (وفی روایة قال: **فطلّقها ثلث تطليقات عند رسول الله ﷺ، فأنفذه رسول الله ﷺ**) (۱)

حضرت سہلؓ اس واقعہ کے وقت وہاں اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ موجود تھے، وہ خود فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول علیہ السلام نے ان کی طلاق کو نافذ بھی فرمایا، یہ صریح دلیل ہے اس کی کہ ایک مجلس میں تین طلاقیں دینے سے تین کی تین واقع ہوجاتی ہیں۔

سند حدیث کی حیثیت

اوپر کی حدیث بخاری و مسلم کی ہے جس کا صحیح ہونا معلوم و مسلم ہے، اور حضرت سہل کی حدیث جسے امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے اس کی سند کے بارے میں علامہ ابن القیمؒ نے فرمایا کہ اس کی سند کے تمام راوی صحیح کے راوی ہیں۔ (۲)

میں کہتا ہوں کہ ابوداؤد کی یہ روایت قابلِ وثوق راویوں سے آئی ہے، صرف ایک راوی عیاض بن عبداللہ فہری کے بارے میں علماءِ جرح و تعدیل کا اختلاف ہے، تاہم ان کی توثیق بھی کی گئی ہے۔ امام ابن حبانؒ نے ان کا ذکر اپنی (کتاب الثقات: ۷/۲۸۳) میں کیا ہے۔ نیز علامہ ابن شاہینؒ نے اپنی کتاب (تاریخ اسماء الثقات: ۱۳۸) میں ان کا ذکر کیا ہے، اور احمد ابن صالحؒ سے نقل کیا ہے کہ یہ عیاض اہل مدینہ میں سے ہیں اور مدینہ میں ان کی بڑی عزّت و شان تھی، ان کی حدیث میں کچھ (قابل اعتراض بات) ہے۔ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے بھی ان کا یہ کلام ابن شاہینؒ کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ (۳)

---

(۱) ابوداؤد: ۱/۳۰۶ (۲) السیل الجرار: ۲/۴۴۳ (۳) تہذیب التہذیب: ۸/۲۰۱

اس سے معلوم ہوا کہ دراصل عیاض کے بارے میں ائمہ کے اقوال مختلف ہیں، بعض ان کو ثقہ قرار دیتے ہیں اور بعض ضعیف کہتے ہیں، اور ایسے راوی کی روایت کم از کم حسن ہوتی ہے۔

الغرض اس سے معلوم ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عویمرؓ کی تین طلاقوں کو جو بیک وقت دی گئی تھیں نافذ فرمایا، یہی جمہور کا مسلک ہے۔

دوسری حدیث

”عن عائشةؓ: أن رجلاً طلّق امرأته ثلثاً، فتزوّجتْ، فطلّق، فسئل النبيُ ﷺ: أتحل للأول؟ قال: لا حتى يذوق عسيلتها كما ذاق الأول“(۱)

(حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے اپنی عورت کو تین طلاقیں دے دیں، اس عورت نے کسی اور مرد سے نکاح کرلیا، پھر دوسرے مرد نے بھی اس کو طلاق دے دی، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کیا یہ عورت اپنے پہلے خاوند کے لیے جائز ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں، جب تک کہ دوسرا خاوند اس سے صحبت اور جماع نہ کرے جس طرح کہ پہلے خاوند نے کیا ہے)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تین طلاق واقع ہوجاتی ہیں اور اس کے بعد بغیر حلالہ کے یہ عورت اپنے پہلے شوہر کے لئے حلال نہیں ہوسکتی۔ اس حدیث میں ’طلّق امرأته ثلاثاَ ‘‘ کے الفاظ ہیں جن کا ترجمہ یہ ہے: ’’اس نے اپنی عورت کو تین طلاق دیدیں‘‘، یہ تین طلاق اس نے ایک ہی مجلس میں دیں یا الگ الگ؟ اس حدیث میں اگرچہ اس کا ذکر نہیں ہے مگر عام طور پر اس جملہ کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ ایک دفعہ یا ایک مجلس میں تین طلاق دیں۔ چنانچہ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ:

(۱) بخاری: ۴۸۵۷، مسلم: ۲۵۸۹

" فإنه ظاهر في كونها مجموعة "(یعنی یہ جملہ بظاہر یہی چاہتا ہے کہ یہ تین طلاقیں دفعۃً اور ایک دم دی گئیں)۔ (۱)

اور میں کہتا ہوں کہ عویمرؓ کی حدیث میں بھی یہی الفاظ آئے ہیں اور وہاں ایک مجلس میں بیک وقت تین دینا ہی مراد ہے، جیسا کہ ظاہر ہے؛ کیونکہ انھوں نے ہر طہر پر ایک ایک طلاق یا مجلس بدل کر طلاق نہیں دی تھی، تو جیسے ان الفاظ سے بیک وقت تین طلاق کا دینا مراد ہے اسی طرح یہاں بھی یہی مراد ہے۔ اور ان تین طلاقوں کو آپ ﷺ نے مان کر یہ فرمایا کہ یہ عورت اپنے پہلے شوہر کے لیے حلالہ کے بغیر حلال نہیں، معلوم ہوا کہ ایک مجلس کی دی ہوئی تین طلاقیں نافذ ہو جاتی ہیں۔

تیسری حدیث

حضرت محمود بن لبید سے مروی ہے کہ:

''إن رسول الله ﷺ أخبر عن رجل طلق امرأته ثلاث تطليقات جميعاً ،فقام مغضباً ،فقال: أيلعب بكتاب الله و أنا بين أظهركم'' (۲)

ابن القیم نے اس حدیث کو علی شرط مسلم قرار دیا ہے (۳) حافظ ابن کثیر نے کہا کہ اس کی سند جید ہے اور ابن حجر نے کہا کہ اس کے راوی سب ثقہ ہیں۔ (۴)

طریق استدلال

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بہ یک وقت تین طلاق دینا ناپسندیدہ امر ہے، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ بہ یک تین طلاق دینے سے تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں؛ کیونکہ اگر تین دینے سے تین واقع نہ ہوتیں تو اللہ کے رسول ﷺ اس پر غصہ کیوں

(۱) فتح الباری: ۹/ ۳۶۷ (۲) سنن نسائی مجتبیٰ: ۳۳۸۴، سنن الکبریٰ للنسائی: ۶/ ۱۴۲

(۳) زاد المعاد: ۵/ ۲۲۵ (۴) نیل الاوطار: ۷/ ۱۱، سبل السلام: ۳/ ۱۷۳

ہوتے؟ غصہ تو اسی وجہ سے ہے کہ تینوں طلاقیں بیک وقت پڑ جانے کی وجہ سے، الگ الگ طلاق دینے کی جو حکمت ہے وہ فوت ہو جاتی ہے، اور وہ حکمت غور وفکر کا موقعہ پانا ہے، جب کوئی شخص ایک دم تینوں طلاقیں دیدیتا ہے تو یہ موقعہ اس کو نصیب نہیں ہوتا، اس لیے آپ نے اس پر غصہ فرمایا۔

اگر تین طلاق دینے سے صرف ایک طلاق پڑتی تو آخر اللہ کے نبی ﷺ کو غصہ ہونے کی کیا ضرورت تھی؟ جبکہ اس سے کوئی حکمت ومصلحت فوت نہیں ہورہی ہے؟ معلوم ہوا کہ یہ غصہ اسی لیے تھا کہ اس سے وہ حکمت ربانی ومصلحت خداوندی فوت ہوجاتی ہے، جو الگ الگ طلاق دینے کے حکم میں پوشیدہ ہے۔ اور یہ بات اسی صورت میں متحقق ہوسکتی ہے جبکہ ہم یہ مانیں کہ تین طلاق دینے سے تینوں کی تینوں واقع ہو جاتی ہیں۔

اس تقریر سے ان لوگوں کا اعتراض ساقط ہوگیا جو یہ کہتے ہیں کہ اس حدیث سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ تین طلاق دینا حرام ہے، مگر یہ کہ تینوں نافذ ہوجاتی ہیں اس کا اس میں کوئی ذکر نہیں۔ (۱)

اوپر کی تقریر سے معلوم ہوگیا کہ نافذ ہونے کا ذکر اگر چہ اس حدیث میں نہیں لیکن اس کے سیاق وسباق سے یہ بات بالکل واضح ہے، جیسا کہ عرض کیا گیا۔

چوتھی حدیث

حضرت حسن بن علیؓ نے اپنی بیوی عائشہ خثعمیہ کو تین طلاقیں دیدیں، پھر اس پر افسوس ہوا تو فرمایا کہ اگر میں نے میرے نانا (رسول اللہ ﷺ) سے یہ سنا نہ ہوتا. (یا یوں کہا کہ) اگر میرے والد (حضرت علیؓ) نے مجھے بتایا نہ ہوتا کہ انہوں نے میرے

(۱) قالہ ابن حجر فی فتح الباری: ۹/۳۶۲

نانا (رسول اللہ ﷺ) سے یہ سنا ہے تو میں اپنی بیوی کو واپس لے لیتا (اور وہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد یہ ہے کہ)" أيما رجل طلق امرأته ثلاثاً مبهمةً أو ثلاثاً عند الأقراء لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره "(جو شخص اپنی بیوی کو مبہم طور پر (یعنی ایک ہی لفظ میں لپیٹ کر جیسے تجھے تین طلاق) یا پاکی کے زمانوں میں (الگ الگ) تین طلاق دیدیا تو وہ عورت اسکے لئے حلال نہیں جب تک کہ دوسرے مرد سے نکاح نہ کرلے۔ (۱)

سند حدیث پر کلام

اس حدیث کی سند میں دو راویوں پر کلام ہوا ہے: ایک عمرو بن ابی قیس الازرق کے بارے میں، دوسرے سلمہ بن فضل کے بارے میں، مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں راوی مختلف فیہ ہیں، بعض محدثین نے ان کی توثیق کی ہے اور بعض نے تضعیف کی ہے، چنانچہ عمرو بن ابی قیس کے بارے میں امام ابوداؤد نے فرمایا کہ ''لا بأس به" (ان میں کوئی خامی نہیں)، ایک موقعہ پر کہا کہ ان کی حدیث میں خطاء ہے عثمان بن ابی شیبہ نے کہا کہ ''لاباٗس'' بہ ہیں، ان سے حدیث میں کچھ وہم بھی ہوجاتا ہے، امام بزار نے کہا کہ مستقیم الحدیث ہیں، ابن حبان وابن شاہین نے ان کو اپنی اپنی ''کتاب الثقات'' میں ذکر کیا ہے، ابن حجر نے یہ سب اقوال جمع کئے ہیں، اور ان میں ایک بات یہ بھی لکھی ہے کہ مقام ریّ کے کچھ لوگ امام ثوری کی خدمت میں گئے کہ حدیث سنایئے، تو آپ نے کہا کہ کیا تمہارے پاس وہ ازرق (عمرو بن ابی قیس) نہیں ہیں؟ یعنی ان کے ہوتے ہوئے یہاں میرے پاس آنے کی کیا ضرورت۔؟ (۲)

(۱) سنن دارقطنی: ۴؍۳۰، معجم الکبیر للطبرانی: ۳؍۹۱، سنن بیہقی: ۷؍۳۳۷ (۲) دیکھو: تہذیب التہذیب: ۸؍۸۲ تہذیب الکمال: ۲۲؍۲۰۴

فن حدیث سے واقفیت رکھنے والا اچھی طرح جانتا ہے کہ ان پر کی جانے والی جروحات نہایت معمولی ہیں اور اسی کے ساتھ ان کی توثیق بھی کی گئی ہے، لہٰذا یہ حسن الحدیث ہیں۔

اسی طرح سلمہ بن فضل کے بارے میں اگرچہ بعض نے سخت جرح کی ہے، تاہم بڑے بڑے ائمۂ جرح وتعدیل نے ان کی توثیق بھی کی ہے، جیسے امام ابن معین نے کہا کہ ثقہ ہیں، کبھی فرمایا کہ لاباٗس بہ، ابن سعد نے کہا کہ ثقہ صدوق ہیں، ابو حاتم نے کہا کہ ان کا مقام صدق کا ہے (سچے لوگوں میں سے ہیں)، ان کی حدیث لکھی جاسکتی ہے مگر اس سے حجت نہیں لی جاسکتی، ابن عدی نے کہا کہ ان کی احادیث میں افراد وغرائب تو ہیں مگر میں نے ان کی کوئی حدیث ایسی نہیں پائی جو انکار کی حد تک پہنچتی ہو، ان کی احادیث متقارب وقابل برداشت ہیں، اور امام احمد سے جب ان کے متعلق معلوم کیا گیا تو فرمایا کہ میں ان کے بارے میں خیر کے سوا کچھ نہیں جانتا۔ (۱)

اس کے علاوہ دارقطنی کے پاس اس حدیث کی ایک دوسری سند بھی ہے جس میں عمران بن مسلم نے ابراہیم بن عبدالاعلی سے روایت کرنے میں عمرو بن قیس الازرق کی متابعت کی ہے۔ (۲) الغرض یہ دونوں راوی حسن الحدیث سے کم نہیں ہیں، بالخصوص جبکہ بعض کی متابعت بھی پائی جارہی ہے، اسی لیے اس حدیث کی سند پر بحث کر کے علامہ ظفر احمد عثمانیؒ نے بتایا ہے کہ اس کی سند حسن ہے. (۳) اور علامہ ہیثمی نے کہا کہ اس کے راویوں میں ضعف ہے اور ان کی توثیق کی گئی ہے۔ (۴)

اس روایت سے حضور ﷺ کا ارشاد صریح وصاف طور پر معلوم ہو گیا کہ تین طلاقیں خواہ الگ الگ دی جائیں یا ایک ہی لفظ میں دی جائیں ہر دو صورت پر حکم یہ

---

(۱) دیکھو: تہذیب الکمال: ۱۱/۳۰۷-۳۰۸ تہذیب التہذیب: ۴/۱۳۵

(۲) سنن دارقطنی: ۴/۳۱ (۳) اعلاء السنن: ۱۱/۱۵۲ (۴) مجمع الزوائد: ۴/۳۳۹

ہے کہ وہ عورت مرد پر حرام ہو جاتی ہے اور بغیر حلالہ کے حلال نہیں ہوتی۔

پانچویں حدیث

”عن ركانة : أتيت النبي ﷺ فقلتُ:يا رسول الله ! إني طلقتُ امرأتي البتّةَ ، فقال: ما أردتَ بها؟ قلت: واحدةً، فقال: واللّٰهِ ؟ قلتُ: واللّٰهِ ، قال:فهو ما أردتَ۔“(۱)

(حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ میں نے میری بیوی کو طلاق بتہ دیدی ہے، آپ نے پوچھا کہ اس سے تیرا کیا ارادہ تھا؟ میں نے عرض کیا کہ ایک (طلاق کا)، آپ نے فرمایا کہ کیا اللہ کی قسم؟ میں نے کہا کہ ہاں! اللہ کی قسم، آپ نے فرمایا کہ پھر جو تو نے ارادہ کیا وہی ہے)

اس حدیث میں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ جب حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے جا کر کہا کہ میں نے میری بیوی کو طلاق بتہ دیدی ہے، تو آپ نے پوچھا کہ اس سے تیرا کیا ارادہ تھا؟ یعنی ایک کا یا تین کا؟ یہ سوال بتا رہا ہے کہ اگر وہ تین کا اس سے ارادہ کر لیتے تو اس لفظ سے تین طلاقیں پڑ جاتیں، ورنہ اس سوال کا کوئی مطلب ہی نہ رہے گا۔ معلوم ہوا کہ ایک لفظ سے بھی تین طلاقیں پڑ جاتی ہیں۔

حدیث کا درجہ

امام ابوداؤد نے اس حدیث کے بارے میں کہا کہ یہ ابن جریج کی حدیث سے اصح ہے جس میں رکانہ کے تین طلاق دینے کا ذکر آیا ہے۔(۲) نیز حاکم نے بھی اس روایت کی تصحیح کی ہے۔(۳) اور ابوداؤد کی تصحیح کا ذکر امام دارقطنی نے سنن میں، ابن حجر

---

(۱) ترمذی:۱۰۹۷ واللفظ لہ، ابوداؤد:۱۸۸۷، ابن ماجہ:۲۰۴۱، صحیح ابن حبان:۱۰/۹۷، دارمی:۲/۱۷۲، سنن بیہقی:۱۰/۱۸۱، مستدرک: ۲/۲۱۸، دارقطنی:۴/۳۳، مسند امام شافعی : ۱/۳۱۵ ، موارد الظمآن:۱/۳۱۲ (۲) سنن ابوداؤد:۱/۳۰۰ (۳) مستدرک:۲/۲۱۸

نے تلخیص الحبیر میں، ابن الملقن نے خلاصۃ البدر المنیر میں، ابن الجوزی نے "التحقیق فی أحادیث الخلاف" میں اور قرطبی نے تفسیر میں کیا ہے (۱)۔ نیز امام ابن حبان نے بھی اس کی تصحیح کی ہے۔ (۲) اور ابن ماجہ نے فرمایا کہ میں نے امام ابوالحسن طنافسی سے سنا کہ یہ حدیث کس قدر اشرف وعمدہ ہے!۔ (۳)

حدیث مذکورہ کے بارے میں اختلاف

مگر معلوم ہونا چاہئے کہ اس حدیث کے بارے میں علماء حدیث نے اختلاف کیا ہے، امام بخاری نے اور ان کی اقتداء میں امام ترمذی نے اس حدیث کو مضطرب قرار دیا ہے۔ (۴) اسی طرح امام احمد نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔ (۵)

اصل میں محدثین کے مابین اس حدیث کے بارے میں یہ اختلاف اس لیے پیدا ہوا کہ بعض راویوں نے اس میں یہ روایت کیا ہے کہ حضرت رکانہؓ نے تین طلاقیں ایک مجلس میں دی تھیں، اور رسول اللہ ﷺ نے ان سے معلوم کیا کہ ان کا اس سے ارادہ کیا تھا؟ جب انہوں نے بتایا کہ ایک طلاق کا ارادہ تھا، تو آپ نے ان کو اجازت دی کہ وہ چاہیں تو اپنی بیوی سے رجوع کرلیں۔ (۶)

لہٰذا اس حدیث میں اضطراب پایا گیا، امام بخاری وامام ترمذی یہی فرماتے ہیں، پس جن حضرات نے اس پر نظر کی انہوں نے اس کو ضعیف قرار دیا۔

علت اضطراب کا جواب

اور امام ابوداؤد اور دیگر محدثین نے ان دو احادیث میں سے سند ومتن کے لحاظ

(۱) سنن دارقطنی: ۴/۳۳، تلخیص الحبیر: ۳/۲۱۲، خلاصۃ البدر المنیر: ۲/۲۲۲، التحقیق فی أحادیث الخلاف: ۲/۲۹۲، تفسیر: ۳/۱۲۹ (۲) تلخیص الحبیر: ۳/۲۱۲ (۳) سنن ابن ماجہ: ۱/۱۴۸ (۴) دیکھو سنن ترمذی: ۱/۲۲۲، علل الترمذی للقاضی أبی الطیب: ۱/۱۷۱، تلخیص الحبیر: ۳/۲۱۲ (۵) ذکرہ ابن القیم فی حاشیۃ ابی داؤد: ۶/۱۹۱، وابن الجوزی فی العلل المتناھیۃ: ۲/۶۳۹ (۶) ابوداؤد: ۱۸۷۷، مسند احمد: ۲۲۶۶

سے اُس حدیث کو ترجیح دی ہے جس میں یہ آیا کہ انہوں نے طلاق بتہ دی۔ اور اس ترجیح سے اس حدیث کا اضطراب رفع ہوگیا، کیونکہ کسی ایک روایت کو ترجیح دینے کے بعد اضطراب ختم ہوجاتا ہے۔

چنانچہ امام ابو داؤد نے دو وجہ سے طلاق بتہ والی حدیث کو تین طلاق والی حدیث پر ترجیح دی ہے، ایک تو اس وجہ سے کہ تین طلاق والی روایت میں ایک راوی مجہول ہے، اور وہ ''ابو رافع کا ایک بیٹا'' ہے جس سے ابن جریج روایت کررہے ہیں، اور ابو رافع کے کئی لڑکے تھے جن میں سے صرف ایک عبید اللہ بن ابو رافع ہی لائق احتجاج ہیں، اب یہ نہیں معلوم کہ یہاں ابو رافع کے لڑکوں سے کون مراد ہیں؟ یہ عبید اللہ یا کوئی دوسرا لڑکا۔ اس لیے امام ابو داؤد نے اس حدیث کی تضعیف کی ہے۔ (۱)

دوسری وجہ یہ بیان کی کہ طلاق بتہ کا ذکر جس روایت میں ہے وہ حضرت رکانہ کے پوتے علی بن یزید بن رکانہ سے آئی ہے، اور گھر کے لوگ اس گھریلو مسئلہ سے دوسروں کی بنسبت زیادہ واقفیت رکھتے ہیں، لہٰذا یہی صحیح ہے کہ انہوں نے طلاق بتہ دی تھی۔

علامہ ابن القیم پر رد

یہاں اس بات کا ذکر کردینا بھی مناسب ہے کہ علامہ ابن القیمؒ نے امام ابوداوٗد کی بات کا رد کیا ہے، اور ان کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ طلاق بتہ والی حدیث جس کو امام ابوداوٗد نے ترجیح دی ہے، وہ بھی ضعیف راویوں سے آئی ہے؛ کیونکہ اس کا ایک طریق " عبد اللہ بن علی بن السائب عن نافع بن عُجیر عن رکانة" ہے اور دوسرا" زبیر بن سعید عن عبد اللہ بن علی بن یزید عن أبیه عن جده" ہے۔ اور یہ سب ضعیف راوی ہیں اور ان میں زبیر سب سے زیادہ ضعیف ہے۔

(۱) حاشیہ ابن القیم: ۱۹۲/۶

علامہ ابن القیم فرماتے ہیں کہ اس کے مقابلہ میں امام احمد کی ایک روایت جو بطریق" محمد بن اسحاق، داوٗد بن الحسین عن عکرمة عن ابن عباس" آئی ہے (جس میں رکانہ کے تین طلاق دینے کا ذکر ہے) وہ "نافع بن عجیر "اور "ابن جریج "دونوں کی حدیث سے زیادہ صحیح ہے،اور اس طریق کو امام احمد نے ایک دوسرے مقام پر صحیح قرار دیا ہے۔(۱)

راقم الحروف کہتا ہے کہ علامہ کے اس کلام میں دو باتوں پر بحث ہے: ایک تو یہ کہ انہوں نے عبداللہ بن علی بن السائب، زبیر بن سعید اور عبداللہ بن علی بن یزید اور ان کے باپ علی بن یزید سب کو علی الاطلاق ضعیف کہدیا ہے حالانکہ یہ بات صحیح نہیں ،دوسرے اس بات پر کہ امام احمد کی مذکورہ حدیث اصح ہے۔

جہاں تک پہلی بات کا تعلق ہے،اس کے بارے میں عرض ہے کہ اس کے راوی عبداللہ بن علی ابن السائب کو ابن حجر نے مستور من الثالثۃ کہا ہے۔(۲) اور ان کا ذکر حافظ مزی نے ''تہذیب الکمال'' میں اور ابن حجر نے ''تہذیب التہذیب'' میں کیا ہے اور کسی سے کوئی جرح نقل نہیں کی ۔(۳) اور ذہبی نے ''الکاشف'' میں لکھا کہ " عبد الله بن علی بن السائب لم یضعف" یعنی ان کی تضعیف نہیں کی گئی ہے۔(۴)

اس سے معلوم ہوا کہ علامہ ابن القیم کا یہ کہنا کہ یہ ضعیف ہیں صحیح نہیں ،ہاں یہ مستور ہیں، جیسا کہ ابن حجر نے کہا ہے،اور مستور کی حدیث کے بارے میں علماءِ حدیث نے اختلاف کیا ہے، بعض نے کہا کہ اس کی حدیث کے بارے میں توقف کیا جائے گا، اور بعض نے کہا کہ اس کی حدیث قبول کی جائے گی اور یہی جمہور کا مسلک ہے۔

علامہ ابن الصلاح وعلامہ ابن جماعہ وغیرہ نے فرمایا کہ: مختار یہ ہے کہ مستور کی حدیث قابل قبول ہے،اور اکثر مشہور کتب حدیث میں،ان راویوں کے بارے میں

(۱) حاشیہ ابن القیم :۱۹۲/۶ (۲) تقریب:۳۱۴/۱ (۳) تہذیب الکمال:۳۲۳/۱۵،تہذیب التہذیب :۲۸۴/۵ (۴) الکاشف:۵۷۶/۱

جن کا زمانہ قدیم ہے اور ان کی معرفت متعذر ہے، اسی پر عمل بھی ہے۔ (۱)

اور دوسرے راوی عبد اللہ بن علی بن یزید ہیں، ان کے بارے میں ابن حجر نے کہا کہ " لین الحدیث من السادسة" یعنی حدیث میں کمزور، چھٹے طبقے سے ہیں۔ (۲)، اور امام ذہبی نے لکھا کہ "وَقَدْ وُثِّقَ" کہ ان کی توثیق کی گئی ہے۔ (۳) نیز امام ابن حبان نے ان کو ثقات میں ذکر کیا ہے (۴) اور ان کا ذکر حافظ مزی نے ''تہذیب الکمال'' میں، اور ابن حجر نے ''تہذیب التہذیب'' میں کیا ہے، مگر کوئی جرح ذکر نہیں کی۔ (۵)

اس سے معلوم ہوا کہ یہ مختلف فیہ راوی ہیں، بعض نے ان کو ضعیف کہا، اور بعض نے ان کی توثیق کی ہے، لہٰذا علی الاطلاق ان کو ضعیف کہنا صحیح نہیں۔

اور تیسرے راوی علی بن یزید ہیں، ابن حبان نے ثقات میں ان کا ذکر کیا ہے، اور ابن عدی و عقیلی نے ضعفاء میں ان کو داخل کیا ہے۔ (۶)

امام بخاری نے کہا کہ "لم یصح حدیثه" (۷) ان کے بارے میں ابن حجر نے جو فیصلہ کن بات کہی ہے وہ یہ ہے کہ مستور ہیں۔ (۸)

اور چوتھے راوی زبیر بن سعید ہیں، ان کے بارے میں یحی بن معین نے ایک قول میں کہا کہ ثقہ ہیں، اور ابوزرعہ نے شیخ (جو کہ الفاظ توثیق میں سے ہے) کہا ہے۔ (۹) اور دار قطنی نے کہا کہ ان سے اعتبار کے لیے حدیث لی جا سکتی ہے۔ (۱۰) اور ابن حبان نے ان کا ذکر ''کتاب الثقات'' میں کیا ہے۔ (۱۱)

---

(۱) مقدمہ ابن الصلاح: ۶۱، منہل الروی: ۱/۶۶، نیز فتح المغیث: ۱/۳۲۳ (۲) تقریب: ۱/۳۱۴
(۳) الکاشف: ۱/۵۷۶ (۴) کتاب الثقات: ۷/۱۵ (۵) تہذیب الکمال: ۱۵/۳۲۳، تہذیب التہذیب: ۵/۲۸۴ (۶) الکامل: ۵/۲۰۸، العقیلی فی الضعفاء: ۳/۲۵۴، تہذیب التہذیب: ۴/۳۱۸
(۷) التاریخ الکبیر: ۶/۳۰۰ (۸) تقریب: ۱/۴۰۶ (۹) تہذیب الکمال: ۹/۳۰۶-۳۰۷،
الضعفاء والمترو کین: ۱/۲۹۳ (۱۰) تہذیب: ۳/۲۷۱ (۱۱) کتاب الثقات: ۶/۳۳۳

اس تفصیل سے معلوم ہوگیا کہ ابن القیم نے جوان سب کو علی الاطلاق ضعیف کہا ہے وہ صحیح نہیں ۔ جب یہ صحیح نہیں تو یہ بھی معلوم ہوگیا کہ یہ حدیث ضعیف نہیں ۔

اب لیجئے ان کی دوسری بات کہ اس حدیث کے مقابلہ میں امام احمد کی روایت کردہ حدیثِ ابن اسحاق اصح ہے، یہ بھی صحیح نہیں ؛ کیونکہ امام احمد کی اس روایت میں دو راویوں پر محدثین نے سخت کلام کیا ہے، ایک محمد بن اسحاق پر بعض نے ان کی توثیق بھی کی ہے لیکن ان پر کی جانے والی جرح انتہائی سخت ہے، ان کے بارے میں امام مالک، امام یحیی القطان، معتمر دجال وکذاب کے الفاظ استعمال کرتے ہیں، اور فریابی نے کہا کہ زندیق ہے، ابن نمیر نے کہا کہ یہ قدری تھے، جوزجانی نے کہا کہ مختلف بدعات کا ان پر الزام تھا، ایک مرتبہ سفیان ثوری مسجد خیف میں تھے کہ وہاں محمد بن اسحاق کو پایا اور فرمایا کہ مجھے اس بات سے شرم آتی ہے کہ لوگ مجھے ان کے ساتھ یہاں دیکھیں، اور امام احمد نے بھی ان کو ضعیف قرار دیا ہے۔ (۱)

کیا ایسے آدمی کی حدیث صحیح قرار پاتی ہے؟ میں یہ نہیں کہتا کہ ابن اسحاق کی کسی کی جانب سے بھی توثیق نہیں کی گئی ہے، البتہ یہ کہتا ہوں کہ علامہ ابن القیم نے جن راویوں کو اوپر ضعیف قرار دیکر ان کی حدیث کے مقابلہ میں ابن اسحاق کی حدیث کو ترجیح دی ہے، ان راویوں میں بعض مستور ہیں اور بعض کی بعض نے توثیق کی ہے، اور جو جرح کی گئی ہے وہ معمولی قسم کی ہے، اس کے مقابلہ میں ابن اسحاق پر انتہائی سخت جرح ہے، تو ابن اسحاق کی حدیث کو فوقیت دینا بے اصول بات ہے۔

پھر اس میں دوسرے راوی داؤد بن الحصین ہیں، جن کی ابن حبان، نسائی اور ابن عدی وغیرہ نے توثیق کی ہے اور بعض محدثین نے تضعیف کی ہے، علی بن المدینی اور امام احمد کہتے ہیں: "ما روی عن عکرمة فمنکر" (کہ جو حدیث عکرمہ سے وہ

(۱) الکامل لابن عدی: ۱۰۳/۶، ضعفاء عقیلی: ۲۳/۴، تہذیب التہذیب: ۱۱۰/۵

بیان کریں وہ منکر ہوتی ہے)اور یہ حدیث عکرمہ ہی سے انہوں نے روایت کی ہے، لٰہذا یہ بھی منکر ہوئی ،اورسفیان بن عُیینہ کہتے ہیں کہ :" كنا نتّقي حديث داؤ د" (کہ ہم داؤد کی حدیث سے بچتے تھے)اورامام ابوزرعہ نے کہا کہ "لين الحديث"(حدیث میں کمزور ہیں)،اورامام ابوحاتم کہتے ہیں کہ :"ليس بالقوى" (قوی نہیں)۔ (۱)

غور کیجئے کہ جس راوی پر یہ جرحیں ہوں،اس کی حدیث کوصحیح قرار دینا کس اصول کے مطابق صحیح ہوسکتا ہے ؟معلوم ہوا کہ علامہ ابن القیم کی یہ بات محض مجازفہ ہے۔

اس جائزہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ امام احمد کی روایت کردہ حدیث ابن اسحاق صحیح نہیں ہے،اب رہی یہ بات کہ امام احمد نے ایک دوسرے موقعہ پر اس سند کی تصحیح کی ہے تو معلوم ہونا چاہئے کہ کسی حدیث کی تصحیح سے اس کے راویوں کی توثیق ثابت نہیں ہوتی ؛ کیونکہ کبھی تصحیح دوسرے قرائن اورطرق کی وجہ سے بھی ہوتی ہے۔ہوسکتا ہے کہ امام احمد نے اُس حدیث کی تصحیح متابعات وشواہد کی روشنی میں کی ہو، اور یہاں زیر بحث روایت میں وہ مفقود ہے۔

رہا طلاق بتہ اورطلاق ثلاثہ والی حدیثوں میں ترجیح کا مسئلہ تو یہ معلوم ہو چکا ہے کہ امام ابوداؤد، حاکم وابن حبان نے طلاق بتہ کی تصحیح کی ہے،اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ تصحیح بھی متابعت وشواہد کی وجہ سے ہے ،ورنہ صرف سند کی حیثیت سے یہ روایت زیادہ سے زیادہ حسن ہوسکتی ہے، صحیح نہیں ہوسکتی ؛ کیونکہ اس کے راوی اس پایہ کے نہیں ہیں جو صحت حدیث کے لیے شرط قرار دئے گئے ہیں۔

چنانچہ نافع بن عجیر کی حدیث میں عبد اللہ بن علی بن السائب کی متابعت دوسری حدیث میں عبد بن علی بن یزید بن رکانہ کر رہے ہیں ، اس طرح یہ ایک

---

(۱) الجرح والتعدیل:۱/۱۶۸،تہذیب الکمال:۵/۲۱۰،تہذیب التھذیب:۳/۱۵۷

دوسرے سے قوت پاگئیں۔اور اگر ترجیح طلاق ثلاثہ والی روایت کو دی جائے جیسا کہ ابن القیم نے کیا ہے تو بھی اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ایک مجلس کی تین طلاق ہر صورت میں ایک مانی جائے گی ؛ کیونکہ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت رکانہ سے یہ پوچھا کہ اس سے تمہارا کیا ارادہ تھا؟ انہوں نے کہا کہ ایک کا ارادہ تھا، تو آپ نے فرمایا کہ پھر تو ایک ہی شمار ہوگی ، اس سے معلوم ہوا کہ اگر تین طلاق سے تین کا ارداہ ہو تو تین کی تین طلاقیں پڑ جائیں گی ، ورنہ اس سوال کا کوئی معنی نہ رہے گا۔ اور جیسا کہ حضرت ابن عباس کی حدیث کے تحت آئے گا کہ پہلے دور میں صحابہ میں ایسا ہی ہوتا تھا کہ تین سے ایک طلاق مراد لیتے تھے، اور بطور تاکید تین مرتبہ طلاق کہا کرتے تھے ، اور اس صورت میں مسئلہ یہی ہے کہ اس سے ایک طلاق پڑتی ہے ، لیکن سوال یہ ہے کہ اگر تین سے تین طلاقیں دینا مقصود ہو تب بھی کیا اس سے ایک طلاق پڑتی ہے؟ اس کا کوئی ثبوت اس حدیث سے نہیں ہوتا ، بلکہ یہ حدیث اس کی صاف طور پر نفی کرتی ہے۔

یہ ایک آیت اور پانچ حدیثیں ہیں جن میں سے پہلی دو بخاری و مسلم کی ہیں اور تیسری نسائی کی ہے جو کہ صحیح حدیث ہے، چوتھی دار قطنی وطبرانی وبیہقی کی ہے اور یہ بھی قابلِ احتجاج ولائقِ استدلال ہے، اور پانچویں ابوداؤد، ترمذی، ابن حبان وغیرہ کی ہے جس کو متعدد محدثین نے صحیح کہا ہے۔ یہ محض نمونہ کے طور پر پیش کئے گئے ہیں، اور یہ معلوم ہو چکا کہ انہی احادیث کے مطابق جمہور ائمہ وصحابہ کا عمل ہے۔

جمہور صحابہ وتابعین کا مسلک

چنانچہ علامہ ابن تیمیہ نے جو زیرِ بحث مسئلہ میں اہلِ حدیث کی طرح ایک طلاق پڑنے کے قائل ہیں ، وہ جمہور صحابہ وتابعین کا مسلک وہی بتاتے ہیں جس پر

آج جمہورِ امت اور انکے علماء قائم ہیں، کہ تین کی تین پڑ جاتی ہیں، چنانچہ فرمایا کہ:

''اس مسئلہ میں پہلا قول یہ ہے کہ تین طلاق ایک مجلس میں یا ایک کلمہ سے واقع کرنا مباح اور جائز ہے اور یہ تینوں طلاقیں پڑ جاتی ہیں، یہی امام شافعیؒ کا قول ہے اور امام احمدؒ کی ایک قدیم روایت ہے۔ دوسرا قول یہ ہے" الثاني أنه طلاق محرّم لازم، وهو قول مالكؒ وأبى حنيفةؒ وأحمدؒ في الرواية المتاخرة عنه ـ اختارها أكثر أصحابه ، وهذا القول منقول عن كثير من السلف من الصحابة والتابعين" کہ اس طرح (ایک مجلس میں تین) طلاق دینا حرام ہے اور پڑ جاتی ہیں، یہی امام مالکؒ، ابوحنیفہؒ کا اور امام احمدؒ کا آخری روایت کے مطابق قول ہے اور انکے اکثر اصحاب نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے اور یہ قول صحابہ و تابعین میں سے اکثر حضرات سے منقول ہے۔'' (۱)

علامہ ابن القیمؒ ''زادالمعاد'' میں لکھتے ہیں:

"وأما المسئلة الثانية وهي وقوع الثلاث بكلمة واحدة فاختلف الناس فيه على أربعة مذاهب: أحدها : أنه تقع ، وهذا قول الأئمة الأربعة و جمهور التابعين و كثير من الصحابة رضي الله عنهم ـ "

(رہا دوسرا مسئلہ اور وہ ہے ایک کلمے سے دی ہوئی تینوں طلاقوں کا واقع ہو جانا تو اس میں لوگوں نے چار اقوال پر اختلاف کیا ہے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں، یہی ائمہ اربعہ کا، جمہور تابعین کا اور کثیر صحابہ کا قول ہے)(۲)

اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے تین طلاقوں کے بیک وقت دینے پر تین ہی پڑ جانے کا جو فیصلہ کیا اس پر ائمہ اربعہ بھی متفق ہیں اور جمہور صحابہ و تابعین بھی

(۱) فتاوی ابن تیمیہ: ۸/۳۳ (۲) زادالمعاد: ۵/۲۲۶

کا بھی یہی مسلک ہے، یہاں ابن تیمیہؒ نے جو دو قول نقل کئے ہیں ان میں اختلاف صرف یہ ہے کہ پہلے قول والے بیک وقت تین طلاق دینے کو جائز کہتے ہیں اور دوسرے قول والے ناجائز، باقی تینوں طلاقوں کے پڑ جانے میں دونوں قول متفق ہیں جیسا کہ ظاہر ہے۔

اور لیجئے، علامہ ابن القیم نے اپنے ''حاشیہ ابوداؤد'' میں علامہ ابوبکر ابن العربی کے حوالے سے بلاتردید لکھا ہے کہ:

" لقد طوفت في الآفاق ولقيت من علماء الإسلام و أرباب المذاهب كل صادق ، فما سمعت لهذه المقالة بخبر ولا أحسست لها بأثر إلا الشيعة الذين يرون نكاح المتعة جائزاً ولا يرون الطلاق واقعاً۔(آگے فرماتے ہیں) وقد اتفق علماء الإسلام و أرباب الحل والعقد في الأحكام على أن الطلاق الثلاث في كلمة وإن كان حراماً في قول بعضهم وبدعة في قول الآخرين لازم .(۱)

(میں نے مختلف علاقوں کا سفر کیا اور علماء اسلام و ارباب مذاہب میں سے قابل اعتبار لوگوں سے ملاقات کیا، لیکن اس (تین طلاق دینے سے ایک طلاق پڑنے) کی کوئی خبر نہ کہیں سنی اور نہ اس کا کوئی اثر کہیں محسوس کیا، سوائے شیعہ کے جو نکاح متعہ کو جائز سمجھتے اور طلاق کو غیر واقع خیال کرتے ہیں، (نیز وہ کہتے ہیں) علماء اسلام و ارباب حل وعقد اس بات پر متفق ہیں کہ ایک کلمہ میں تین طلاق، اگر چہ کہ بعض کے قول میں حرام ہے اور دوسرے بعض حضرات کے نزدیک بدعت ہے، لازم ہو جاتی ہیں)

اور امام محی الدین النووی شارح مسلم لکھتے ہیں کہ

" وقد اختلف العلماء فيمن قال لامرأته أنتِ طالق ثلاثاً وقال الشافعي

(۱) حاشیۃ ابن القیم علی سنن ابی داؤد: ۶/ ۲۰۱-۲۰۲

ومالك و أبو حنيفة وأحمد وجماهير العلماء من السلف والخلف: يقع الثلاث،وقال طاوس وبعض أهل الظاهر: لا يقع بذلك إلا واحدة ـ" (۱)

(علماء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ کوئی شخص اپنی بیوی کو" تجھے تین طلاق" کہہ دے، امام شافعی، امام مالک، امام ابو حنیفہ و امام احمد اور سلف و خلف میں سے جمہور علماء نے کہا کہ اس سے تینوں طلاقیں پڑ جاتی ہیں، اور طاوس اور بعض اہل ظاہر کہتے ہیں کہ اس سے صرف ایک طلاق پڑتی ہے)

امام قرطبی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

" قال علماء نا: واتفق أئمة الفتوى على لزوم ايقاع الطلاق الثلاث في كلمة واحدة ، وهو قول جمهور السلف ،وشذ طاوس وبعض أهل الظاهر إلى أن طلاق الثلاث في كلمة واحدة يقع واحدة .... والمشهور عن الحجاج بن أرطاة و جمهور السلف والأئمة أنه لازم واقع ثلاثاً ، ولا فرق بين أن يوقع ثلاثاً مجتمعة في كلمة أو متفرقة في كلمات ـ(۲)

(ہمارے علماء نے کہا کہ ائمۂ فتوی اس پر متفق ہیں کہ ایک کلمہ میں تین طلاق واقع کرنے سے لازم ہو جاتی ہیں، یہی جمہور سلف کا قول ہے اور طاوس اور بعض اہل ظاہر نے جمہور سے الگ ہو کر یہ قول اختیار کیا ہے کہ ایک کلمہ میں تین طلاق دینے سے ایک واقع ہوتی ہے،............ حجاج بن أرطاۃ اور جمہور سلف اور ائمہ سے مشہور یہی ہے کہ یہ تینوں طلاقیں لازم و واقع ہو جاتی ہیں اور اس میں کوئی فرق نہیں کہ ایک کلمہ میں اکھٹی واقع کرے یا الگ الگ طور پر کئی کلمات میں دے)

علماء کے ان اقوال سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ ائمہ اربعہ اور سلف و خلف میں سے جمہور علماء اس مسئلہ میں متفق اللسان والبیان ہیں کہ تین طلاق

(۱) شرح مسلم للنووي: ۱/۴۷۸ (۲) تفسیر القرطبی: ۱۲۹/۳

ایک مجلس میں یا ایک کلمہ سے دینے سے تین کی تین طلاقیں پڑ جاتی ہیں۔

کیا تین طلاق پڑ جانے کا مسئلہ حضرت عمرؓ کی ایجاد ہے:

اس تفصیل سے ان لوگوں کی غلطی واضح ہوتی ہے، جو کہتے ہیں کہ تین طلاقوں کے پڑ جانے کا مسئلہ حضرت عمرؓ کی ایجاد ہے، غور کرنے کی ضرورت ہے کہ اگر یہ تنہا حضرت عمرؓ کا فیصلہ ہوتا، تو کیا صحابہ خاموش بیٹھتے، جب کہ یہ دور وہ تھا کہ ایک معمولی عورت بھی حضرت عمرؓ جیسے حضرات کو مسائلِ شرعیہ کے بارے میں ٹوک دیتی تھی۔

ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے چار سو درہم سے زیادہ مہر باندھنے پر پابندی لگا دی تو قریش کی ایک خاتون نے حضرت عمر کو اس پر ٹوکتے ہوئے کہا کہ آپ نے سنا نہیں کہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے ﴿ وَاٰتَيْتُمْ اِحْدٰهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْئًا﴾ [النساء:۲۰] (کہ اگر تم نے اپنی بیویوں کو مہر میں ایک قنطار بھی دیا ہو تو واپس نہ لینا) اس سے معلوم ہوا کہ مہر اس سے زیادہ بھی ہو سکتا ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے کہا کہ اللہ میری مغفرت کرے، پھر کہا کہ سب لوگ عمرؓ سے زیادہ افقہ ہیں۔ (۱)

اسی طرح حضرت علیؓ نے ایک دفعہ ایک مسئلہ بتایا تو ایک شخص نے ٹوک دیا۔ آپ نے فرمایا کہ تم نے صحیح کہا اور مجھ سے خطاء ہو گئی، اور ہر علم والے سے زیادہ کوئی جاننے والا ہے۔ (۲)

جب کسی سے کوئی لغزش ہو جاتی تو معمولی آدمی بھی ٹوک دیتا تھا، تو اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ اگر خلافِ شریعت حکم دیتے تو کیا سب صحابہ اسکو مان لیتے؟ یہ بات جس طرح حضرت عمر بن خطابؓ پر بہتان ہے اسی طرح حضراتِ صحابہ پر بھی بہتان ہے، اور ہم نے اوپر عرض کر دیا ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ کا بھی وہی فیصلہ ہے جو

(۱) سنن البیہقی: ۷/۲۳۳، روح المعانی: ۴/۲۴۵، تفسیر قرطبی: ۱/۲۸۷، تفسیر ابن کثیر: ۱/۴۶۸، فتح الباری: ۹/۰۴ (۲) تفسیر قرطبی: ۱/۲۸۷ روح المعانی: ۴/۲۴۶

سب صحابہ کا ہے، پھر آخر اس فضول تاویل کی کیا ضرورت؟

روایتِ ابن عباس پر بحث

جو لوگ تین طلاق کو ایک کہتے ہیں، اور تین کو تین قرار دینا حضرت عمر کی ایجاد کہتے ہیں، ان کی دلیل وہ روایت ہے جسکو امام مسلمؒ نے اپنی صحیح میں اور دیگر محدثین نے اپنی اپنی کتب میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے:

"عن ابن عباس ﷺ قال: كان الطلاق على عهد رسول الله ﷺ وأبي بكر وسنتين من خلافة عمر طلاق الثلاث واحدةً ، فقال عمر بن الخطاب: إن الناس قد استعجلوا في أمر كانت لهم فيه أناة ، فلو أمضيناه عليهم، فأمضاه عليهم"(۱)

(حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں اور حضرت ابو بکرؓ کے دور میں اور حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت کے ابتدائی ایام میں تین طلاقیں ایک ہی ہوتی تھیں، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ لوگوں نے جلد بازی کی ہے، حالانکہ انکو اس معاملہ میں سوچنے سمجھنے کا وقت تھا، ہم کیوں نہ ان پر انکو نافذ کریں، پھر آپنے یہ تین ہی ان پر نافذ کر دیں)

اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ تین طلاقوں کے نفاذ کا حکم حضرت عمرؓ ہی نے دیا ہے، مگر اوپر پیش کردہ احادیث اور جمہور علماء وائمہ کی تصریحات کے پیشِ نظر اس کا یہ مفہوم نہیں لیا جا سکتا، اور اسی لیے جمہور ائمہ وعلماء نے حضرت ابن عباس کی اس روایت کو قابلِ تاویل سمجھا ہے اور اس کی مختلف انداز سے تاویلیں کی ہیں، علامہ ابن القیم نے "حاشیہ ابو داؤد" میں علماء کے حوالے سے اس کی دس تاویلیں

---

(۱) مسلم: ۱/۴۷۷، مستدرک حاکم: ۲/۲۱۴، مسند ابو عوانہ: ۳/۱۵۲، دار قطنی: ۴/۴۶، مصنف عبد الرزاق: ۶/۳۹۲، معجم الکبیر للطبرانی: ۱۱/۲۳، سنن بیہقی: ۷/۳۳۶

ذکر کی ہیں۔(۱)

نیز علامہ نووی نے شرح مسلم (۴۷۸/۱) میں ابن حجر نے فتح الباری : (۹/ ۳۶۳-۳۶۵) میں اس حدیث سے متعلق علماء کی تاویلات کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔اوراگرچہ اس حدیث پر کافی طویل بحثیں ہیں، مگر میں یہاں صرف دوچار باتیں عرض کرونگا۔

حدیث ابن عباس کی مختلف تاویلیں

(۱) بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ حضوراکرم ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ کے دور میں اور عمرؓ کے ابتدائی ایام میں لوگ تین کے بجائے ایک ہی طلاق دیتے تھے، پھر حضرت عمرؓ کے آخری دور میں لوگ ایک ہی وقت تین تین طلاقیں دینے لگے،تو عمرؓ نے شریعت کا حکم بیان کیا اور نافذ کیا کہ تین تین ہی ہونگی، اس کا مطلب یہ نہیں کہ تین طلاقیں دیکر بھی ایک شمار کرتے تھے۔

یہ مطلب اس حدیث کا متعدد محدثین وفقہاء نے بیان کیا ہے،امام نوویؒ نے شرحِ مسلم (۴۷۸/۱) میں،امام بیہقی نے بحوالہ امام ابوزرعہؒ (السنن الکبری: ۳۳۸/۷) میں اور علامہ زرقانیؒ نے (شرحِ مؤطا: ۲۱۸/۳) میں امام قرطبی نے اپنی تفسیر (۱۳۰/۳) میں یہی مطلب،حدیث کا بیان کیا ہے۔

(۲) بعض علماء نے فرمایا کہ ابن عباس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے لوگ تین طلاق بولکر تین مرادنہیں لیتے تھے، بلکہ ایک مراد لیتے اور دوطلاقوں کا ذکر محض تاکید کے لیے کرتے تھے،لیکن جب حضرت عمرؓ کا دور آیا تو لوگ تین کہہ کر تین مراد لینے لگے، اورلوگوں میں مکرودھوکہ عام ہوگیا جس کی وجہ سے تین طلاق کو تاکید کے ارادہ پر محمول

(۱) حاشیہ ابن القیم علی ابی داؤد :۶/ ۱۹۷-۲۰۰

کرنا مشکل ہوگیا، لہٰذا حضرت عمرؓ نے ان کی نیت کے مطابق حکم نافذ فرمادیا۔(۱)

(۳) بعض علماء نے فرمایا کہ یہ بات کہ تین ایک ہوتی تھی، ایک خاص صورت کے متعلق ہے، وہ یہ کہ غیر مدخول بہا (یعنی جس عورت سے مرد نے ابھی ہمبستری نہ کی ہو) اس کو اگر "أنت طالق" تین دفعہ کہے تو اس پر صرف پہلی دفعہ والی طلاق پڑیگی اور وہ اسی سے بائنہ ہوجائے گی، دوسری دو طلاقیں اس پر واقع نہ ہونگی؛ کیونکہ غیر مدخول بہا عورت پہلی طلاق ہی سے بائنہ ہوجاتی ہے، اور وہ دوسری دو طلاقوں کے وقت محل طلاق ہی نہیں رہتی۔ چنانچہ خود ابن عباسؓ سے (ابوداوٗد:۱/۲۹۹) کی روایت میں اس کی تصریح آئی ہے اور امام ابن القیمؒ اس روایت کی سند کو صحیح قرار دیتے ہیں۔(۲)

خلاصہ یہ کہ یہ روایتِ ابن عباسؓ ایک خاص صورت کے بارے میں ہے نہ کہ مطلقاً، لہٰذا اس سے علی الاطلاق یہ ثابت کرنا کہ حضور ﷺ اور ابوبکرؓ کے زمانے میں تین طلاقیں ایک ہی ہوتی تھیں، صحیح نہیں۔

حدیث ابن عباس کا درجہ

یہ تمام تأویلات اس صورت میں ہیں جبکہ اس حدیث کو صحیح تسلیم کرلیا جائے، ورنہ تو بہت سے محدثین کے نزدیک اس حدیث کی صحت بھی مشکوک ہے، اور اس کی سند و متن دونوں پر کلام ہے۔

امام بیہقی فرماتے ہیں کہ:

" وهذا الحديث أحد ما اختلف فيه البخاري و مسلم ،فأخرجه مسلم و تركه البخاري ،وأظنه إنما ترك لمخالفته لسائر الروايات عن ابن

(۱) شرح مسلم:۱/۴۷۸، فتح الباری:۹/۳۶۴، الدیباج للسیوطی:۴/۸۹ (۲) زادالمعاد:۵/۱۹۵

عباس" .... ثم قال بعد إيراد الأحاديث عن ابن عباس ...... :
فهذه رواية سعيد بن جبير، و عطاء بن أبى رباح، و مجاهد، و عكرمة، و عمرو بن دينار، و مالك بن الحارث، ومحمد بن أياس بن البكير، و رويناه عن معاوية بن أبي عياش الأنصاري كلهم عن ابن عباس أنه أجاز الطلاق الثلاث و أمضاهن .(۱)

(یہ حدیث ان احادیث میں سے ایک ہے جن میں بخاری و مسلم نے اختلاف کیا ہے، مسلم نے اس کو روایت کیا اور بخاری نے اس کو ترک کردیا۔اور میرا خیال ہے کہ بخاری نے اس کو اس لیے ترک کیا کہ یہ حدیث ابن عباس کی دیگر تمام روایات کے خلاف ہے۔.....پھر ابن عباس سے متعدد رویات نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ......... : یہ سعید بن جبیر، عطاء بن أبی رباح، مجاہد، عکرمۃ، عمرو بن دینار، مالک بن الحارث، محمد بن أیاس بن البکیر ومعاویہ بن ابی عیاش انصاري کی ابن عباس سے روایات ہیں، یہ سب کے سب ان سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے تین طلاقوں کو جائز و نافذ مانا ہے)

اس سے امام بیہقی نے ابن عباس کی روایت کو ابن عباس کے دیگر شاگردوں کی روایت کے خلاف ہونے کی وجہ سے شاذ قرا دیا ہے اور اسی بنیاد پر-ان کے مطابق-امام بخاری نے اس کی تخریج نہیں کی۔

اور محدث امام طحاوی فرماتے ہیں:

" إن سعيد بن جبير، و مجاهداً، و عطاء، و عمرو بن دينار، و مالك بن الحويرث، و محمد بن أياس بن البكير،والنعمان بن أبي عياش رووا عن ابن عباس فيمن طلق امرأته ثلاثاً : أنه قد عصى ربه، و بانت منه

(۱)السنن الکبری للبیهقي :۷/۳۳۶-۳۳۷

امرأته، ولا ينكحها إلا بعد زوج ، وفيما رواه هؤلاء الأئمة عن ابن عباس مما يوافق الجماعة ما يدل على وهن رواية طاوس و غيره ."(۱)

(سعید بن جبیر ومجاہد وعطاء وعمرو بن دینار و مالک بن الحویرث ومحمد بن ایاس بن البکیر اور نعمان بن ابی عیاش سب نے ابن عباس سے، بیوی کو تین طلاق دینے والے کے بارے میں یہ روایت کیا ہے کہ اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور اس کی بیوی اس سے جدا ہوگئی اور اس سے یہ دوبارہ اس وقت تک نکاح نہیں کرسکتا جس تک کہ وہ کسی اور سے نکاح نہ کرلے، حضرت ابن عباس سے ان ائمہ نے جماعت صحابہ کے موافق جو روایت کیا ہے، یہ طاوس وغیرہ کی روایت کے ضعیف ہونے کی دلیل ہے)

حافظ ابن حجر نے امام قرطبی کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ: اس حدیث میں ابن عباس پر راویوں کے اختلاف کے ساتھ ساتھ اس کے الفاظ میں بھی اضطراب واقع ہوا ہے۔ (۲)

حاصل یہ ہے کہ یہ روایت اولاً صحیح نہیں، اور اگر صحیح بھی ہے تو اس کے معنی میں مختلف تاویلیں ہیں، اس بحث سے یہ بتانا ہے کہ تین طلاق کو ایک قرار دینے والے جو یہ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ہی تین طلاقوں کو تین قرار دیا ہے، یہ صحیح نہیں اور اس پر مسلم کی روایت سے استدلال بھی درست نہیں بلکہ اوپر کی تفصیلات سے واضح ہو چکا ہے کہ یہ فیصلہ خود بارگاہِ رسالت سے صادر ہو چکا تھا اسی پر سب صحابہ وتابعین وائمہ نے عمل کیا ہے۔

حضرت ابن عباس کا مسلک

یہی وجہ ہے کہ خود ابنِ عباسؓ جو مسلم کی اس روایت کے راوی ہیں، انکا مسلک بھی خود انکی زبانی یہی نقل کیا گیا ہے کہ تین طلاقیں تین ہوتی ہیں۔ چنانچہ حضرت مجاہد

(۱) بحوالہ تفسیر القرطبی: ۱۲۹/۳ (۲) فتح الباری: ۳۶۴/۹

سے روایت ہے کہ میں حضرت ابن عباس کے پاس تھا کہ ایک شخص نے آ کر کہا کہ ''میں نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدی ہے''، حضرت ابن عباس کچھ دیر خاموش رہے، حضرت مجاہد کہتے ہیں کہ میں نے خیال کیا کہ شاید آپ اس کی بیوی کو اسے لوٹا دیں گے، مگر آپ نے فرمایا کہ:

" ينطلق أحدكم فيركب الأحموقة ، ثم يقول: يا ابن عباس ،يا ابن عباس، إن الله تعالى قال: ﴿وَ مَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا﴾ و أنك لم تتق الله ، فلا أجد لك مخرجاً ،عصيتَ ربّك و بانتُ منك امرأتُك "

(یعنی: تم حماقت کا کام کرتے ہو اور پھر اے ابن عباس، اے ابن عباس کہتے ہو، اللہ تعالے تو یہ فرماتے ہیں کہ جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لیے کوئی راہ نکالتے ہیں، اور تو نے اللہ کا خوف نہیں کیا، اس لیے میں تیرے لیے کوئی راستہ نہیں پاتا، تو نے اللہ کی نافرمانی کی، اور تیری بیوی تجھ سے جدا ہوگئی)(۱)

اس کے علاوہ بھی متعدد حضرات تابعین نے ابن عباس سے ان کا یہی قول و فتوی نقل کیا ہے جیسا کہ اوپر امام بیہقی و امام طحاوی کے حوالے سے گزرا۔ غور کرنے کی بات ہے کہ جب ابنِ عباس ؓ کو معلوم تھا کہ حضور ﷺ کا، اور ابو بکر ؓ کا فیصلہ یہ تھا کہ تین طلاقیں ایک ہوتی ہیں تو انہوں نے اس کے خلاف کیوں فتوی دیا؟ کیا حضرت ابن عباس سے یہ بات ممکن ہے کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ سے ایک فتوی و حکم جان کر پھر بھی اس کے خلاف فتوی دیں؟ معلوم ہوا کہ حضرت ابن عباس ؓ نے جو مسلم کی روایت میں بیان کیا ہے اس کا مطلب وہ نہیں جو سمجھا جا رہا ہے، بلکہ وہ ہے جو ائمہ نے بیان کیا ہے۔

(۱) ابوداؤد: ۱/۲۹۷، حدیث نمبر: ۱۸۷۸۔ اسکی سند صحیح ہے، فتح الباری: ۹/۳۶۲

دیگر صحابہ کے فتاوی

اور مزید قابل غور بات یہ ہے کہ صرف ابن عباس ہی نہیں ، بلکہ اور بھی متعدد صحابہ جیسے حضرت علی، حضرت ابو ہریرہ، حضرت عمر وغیرہ سے بھی یہی فتوی منقول ہے۔

(۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے پوچھا کہ میں نے میری عورت کو ایک ہزار طلاقیں دیدی ہیں، آپ نے فرمایا کہ: " ثلاث تحرمها عليك ، واقسم سائرها بين نسائك "(تین طلاقیں اس کو تجھ پر حرام کر دیتی ہیں، باقی کو اپنی دوسری بیویوں پر تقسیم کردے)۔(۱)

(۲) عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ جب ان سے کوئی اس مسئلہ کے بارے میں پوچھتا تو فرماتے کہ: " أما أنت إن طلقت امرأتك مرةً أو مرتين فإن رسول اللّٰه ا أمرني بهذا،وإن كنت طلقتها ثلاثاً فقد حرمت عليك حتى تنكح زوجاً غيرك،وعصيتَ اللّٰه فيما أمَرَكَ من طلاق امرأتك۔

(تو نے اگر اپنی بیوی کو ایک یا دو دفعہ طلاق دی ہے تو مجھے اللہ کے رسول ﷺ نے اس (رجوع) کا حکم دیا تھا، اور اگر تو نے تین طلاق دی ہے تو وہ تجھ پر حرام ہوگئی (تیرے لیے حلال نہیں) جب تک کہ وہ کسی اور مرد سے نکاح نہ کرلے)(۲)

(۳) حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے اس شخص کے بارے میں جس نے اپنی بیوی کو جماع سے قبل تین طلاق دیدی فرمایا کہ وہ اس شخص کے لیے حلال نہیں جب تک کہ وہ کسی اور سے نکاح نہ کرلے۔(۳)

---

(۱) سنن کبری بیہقی: ۳۳۵/۷، سنن الدار قطنی: ۲۱/۴ (۲) رواہ مسلم: ۴۷۶/۱ والبیھقی فی السنن الکبری: ۳۳۱/۷ والدار قطنی فی السنن: ۲۸/۴، بخاری تعلیقاً: ۷۹۲/۲ نیز مصنف عبد الرزاق: ۳۱۱/۶

(۳) شرح معانی الآثار للطحاوی: ۳۵/۲: مصنف عبد الرزاق: ۳۳۱/۶

امام طحاوی نے عبد اللہ بن مسعود سے یہ فتوی تین سندوں سے روایت کیا ہے اور امام عینی نے ''نخب الافکار'' میں فرمایا کہ یہ تینوں سندیں صحیح ہیں۔ (۱)

ان کے علاوہ حضرت ابوھریرہ سے طحاوی نے ،امام مالک نے موطا میں، ابوداؤد نے سنن میں، ابن ابی شیبہ مصنف میں ،عبدالرزاق نے مصنف میں، ،حضرت عمر سے طحاوی وبیہقی وعبدالرزاق نے ،حضرت عبد اللہ بن عمرو سے طحاوی، ابو داؤد، بیہقی نے ،حضرت انس سے طحاوی، ابن ابی شیبہ وبیہقی نے ،حضرت عثمان وعائشہ سے ابن ابی شیبہ نے ،حضرت مغیرہ بن شعبہ سے بیہقی نے ،حضرت ابوسعید سے ابن ابی شیبہ نے ،اور حضرت عمران بن حصین وحضرت ابوموسی اشعری سے بیہقی نے روایت کیا ہے۔ (۲)

یہ چند حوالے بطور مثال پیش کئے گئے ہیں، ان کے علاوہ اور بھی بعض حضرات صحابہ سے یہی فتوی مروی ہے، اور پوری عبارات وفتاوی اس لیے نقل نہیں کئے گئے کہ تطویل کا خوف تھا، لہٰذا صرف حوالوں پر اکتفاء کیا گیا۔

آخری بات

ان سب باتوں کو پیش کرنے کا مقصد دوسرے مسلک کی تردید وابطال نہیں ہے بلکہ یہ بتانا ہے کہ جمہور علماء جس بات پر اٹل ہیں وہ انکی اپنی ذاتی رائے اور قرآن وحدیث کے خلاف باطل اجتہاد نہیں ہے، جس پر شور مچایا جائے ،اور خواہ مخواہ اپنی ہی ہوا اکھاڑنے کی کوشش کی جائے، بلکہ یہ مسلک اللہ کے رسول ﷺ کا بیان کردہ اور

(۱) نخب الافکار: ۷/۲۷۲ (۲) شرح معانی الآثار: ۲/۳۴، مؤطا: ۲/۵۷۰، ابوداؤد: ۱/۲۹۹ ، المصنف: ۴/۶۷، المصنف: ۶/۳۳۴، طحاوی: ۲/۳۵، سنن کبری: ۷/۳۳۴، عبدالرزاق: ۶/۳۳۳، طحاوی: ۲/۳۵، ابوداؤد: ۱/۲۹۹، سنن: ۷/۳۳۵، طحاوی: ۲/۳۵، ابن ابی شیبہ: ۴/۶۸، سنن: ۷/۳۷۵، ابن ابی شیبہ، المصنف: ۴/۶۲، ابن ابی شیبہ: ۴/۶۷، سنن: ۷/۳۳۶، ابن ابی شیبہ: ۴/۶۷، سنن: ۷/۳۳۲

جمہور صحابہ وتابعین وائمہ کا اختیار کردہ ہے، جس کو غلط و باطل قرار دینا نہایت درجہ کی جسارت و گستاخی ہے۔

یہ مضمون اولاً روزنامہ پاسبان میں ۱۳ صفر ۱۴۱۴ھ پیر کو پھر سالار میں ۲۳ صفر ۱۴۱۴ھ ۱۲ اگست ۱۹۹۳ کو شائع ہوا

محمد شعیب اللہ خان عفی عنہ

۲؍صفر ۱۴۲۴ھ